اٹھارویں صدی کا کلاسیکی شاعر: قدرت اللہ قدرت

ڈاکٹر بلقیس بیگم (صدر شعبہ اردو) سریندر ناتھ کالج، کولکاتہ

Abstract

Qudratullah Qudrat is reliable voice of Urdu Ghazal in 18th century. His poetry spark of mystical thoughts and ideas, on the other hand there is beauty and love and heartfelt deeds. In 1739 Nadir Shah Durani massacare and destroyed the whole city of Delhi, under these uncomfortable enviornment, he was leave the Delhi and travelled to Lucknow, Azimbad, Jahangirabad and Murshidabad where he was died in 1791. His poetry main centric, is the search of truth which makes him distingush in the ages. He had a special idealogy in the history of Shairi.

اردو ادب میں ان گنت شعراء ہوئے ہیں جن کے نام افقِ شاعری پر ہمیشہ چمکتے رہیں گے۔ ان چند ہستیوں میں قدرت کا نام بے حد نمایاں ہے۔ قدرت کی شخصیت اور شاعری میں مشترکہ خوبی یہ ملتی ہے کہ زمانے کے نشیب و فراز شعر و سخن کے نئے رجحانات و میلانات اور جذبات و احساسات کے تغیرات نے انکی شاعری پر اپنا عکس نہیں چھوڑا بلکہ انہوں نے اپنی منفرد راہ اختیار کی۔ یعنی صداقت اور سچائی کی تلاش میں زندگی صرف کی۔ واضح ہو کہ ایک عرصہ گذرنے کے بعد بھی ان کے دیوان اور شاعری پر ہنوز تفصیلی گفتگو نہیں کی گئی۔ کہا جائے کہ صاحبانِ ذوق کی نگاہوں سے قدرت پوشیدہ رہے تو غلط نہ ہوگا۔ مستند تذکروں میں ان کا ذکر مع چند اشعار ہی ملتا ہے۔ لیکن قدرت کے کلام اور دیوان کو کسی بھی لحاظ سے صرف نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ قدرت اپنے وقت کے ایک معروف و مقبول شاعر تھے۔ انہوں نے میرؔ، سوداؔ، خواجہ میر درد، مرزا مظہر جان جاناں، مصحفیؔ، انشاؔ، جراتؔ کا زمانہ دیکھا تھا۔ ان کی ذات خود ایک انجمن تھی۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہنا بجا ہوگا کہ میرؔ، سوداؔ اور دردؔ کے دور کی چوتھی اہم شخصیت قدرت اللہ قدرتؔ دہلوی ہیں۔ قدرت کا مختصر دیوان اس بات کی دلیل ہے کہ انہیں اپنے شخصی وقار کا بے حد پاس اور لحاظ تھا۔ انہوں نے کسی قسم کی مصلحت پسندی اور خوشامدی لہجہ کو کبھی اختیار نہیں کیا۔ یعنی کسی قسم کا عدم توازن نہ زندگی میں کبھی گوارا کیا، اور نہ ہی اپنی شاعری میں۔ قدرت کے کلام کا جائزہ لیا جائے تو یہ کہنا پڑتا ہے کہ ان کے ہاں نہ کسی قسم کی اخلاقی پستی ہے، نہ ذہنی ابتذال اور نہ ہی فنی نقطۂ نظر سے کسی قسم کی سطحیت ملتی ہے۔ یہی سبب ہے کہ میں قدرتؔ کو اردو غزل کے ان اساطین میں شمار کرتی ہوں جن پر اردو شاعری کی مستحکم عمارت کھڑی ہے۔

قدرت کا دور تشکیک کا دور تھا۔ مغلیہ سلطنت کا چراغ گل ہو رہا تھا۔ برطانوی حکومت سرزمین ہند پر اپنے قدم جمانے کی بھرپور کوشش کر رہی تھی۔ سیاسی اور اقتصادی زندگی خستہ حالی کی منہ بولتی تصویر تھی۔ تہذیبی اور ثقافتی زندگی پر انحطاط چھایا تھا۔ ماضی کی شاندار روایت لرزہ براندام ہو رہی تھی۔ گویا پورا معاشرہ ایک ایسی کشتی پر سوار تھا، جس کا کوئی ناخدا نہ تھا۔ اس پر آشوب ماحول میں قدرت کی شاعری پروان چڑھی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ قدرت کی شاعری مخصوص فکری محور پر گردش نہیں کرتی، کیونکہ وہ محض فلسفی یا صوفی نہ تھے بلکہ ایک کامل شاعر تھے۔ یہی سبب ہے کہ انکی شاعری کا فکری نظام اپنے ہم عصروں سے بالکل مختلف ہے۔ ان کے اندازِ فکر میں وجدان اور شاعرانہ صلاحیت کا وفور ہے۔

قدرت کے کلام میں صرف فلسفیانہ وحدت کی تلاش بے سود ہے۔انکی شاعری میں یکسانیت اور یک رنگی کے بجائے بو قلمونی اور تنوع ہے۔وہی بو قلمونی جو زندگی کا استعارہ ہے۔زندگی کے احساسات دوسرے افکار سے الگ نہیں ہوتے۔بلکہ یہ آپس میں پیچیدہ اور مربوط ہوتے ہیں کہ ایک احساس دوسرے احساس کی اور ایک تجربہ دوسرے تجربہ کی بنیاد بنتا چلا جاتا ہے۔انہی چیزوں کے اشتراک سے قدریں تعمیر ہوتی ہیں۔قدرت نے اپنی شاعری کا خام مواد عام زندگی کی قدروں سے حاصل کیا تھا۔خیر و شر، حسن و عشق، وجود و عدم، جور و ظلم، رندی و سرمستی، یہ وہ عام موضوعات ہیں جن پر قدرت کا کلام منطبق ہے۔

کسی بھی شاعر کے کلام کے معیار کو جانچنے کے لیے اس کے باطن میں اترنا پڑتا ہے۔قدرت کے شعری میزان اور معیار کے لیے ظاہر ہے کہ ان کے کلام کا مطالعہ ناگزیر ہے۔چند اشعار ملاحظہ فرمایئے:

ہرزہ گردی سے رہائی کی چھڑا
پھر مجھے زنداں میں اے زنجیر کھینچ

بلبل کہے تھے کیا کروں اب خانماں کے تیئں
گر گل نہیں تو آگ لگے آشیاں کے تیئں
اس سوچ ہی میں زندگی اپنی تو کٹ گئی
ناوک کو دیجے سینہ میں جا یا سناں کے تیئں

خلوت سرائے دل میں کیا شور کیا غلو ہے
ہر شب ہے آہ و زاری ہر روز ہائو ہو ہے

کل ذرا آنکھیں ہوئی تھیں نم کہ قدرت آج تک
ہاتھ کو درپیش ہے کار فشار آستیں

قدرت کی شاعری اپنے دور کے مزاج اور لہجہ سے مختلف رہی ہے۔لیکن ان کے کلام میں بھی حسن و عشق کی واردات کا بھرپور اظہار ملتا ہے۔قدرت کا عشق روایتی نہیں۔قدرت کے نزدیک حسن ایک لازوال حقیقت ہے جس کا ادراک تو ممکن ہے لیکن اس کی تشریح لفظوں میں نہیں کی جا سکتی۔حسن کو مخصوص دائرے میں قید نہیں کیا جا سکتا ہے۔اس کا ظہور کائنات کی ہر شے میں ہے۔اسی لیے قدرت بے ساختہ کہہ اُٹھتے ہیں:

ہے قصور نظر ہی یاں قدرت
ورنہ کب حسن بے حجاب چھپا

قدرت کے کلام میں حسن کی تعریف عشق کے حوالے سے یوں ملتی ہے:

عشق نے جوں ہی کیا دل میں تصور حسن کا
اک جہاں صورت گری کا کارخانہ ہو گیا

حسن و عشق پوری کائنات پر محیط ہے۔ حسن و عشق کی کارفرمائیوں اور جلوہ مائیوں سے جو گریزاں ہو، وہ قدرت کی رعنائیوں اور نعمتوں سے فیض یاب نہیں ہو سکتا۔

خصوصاً غزل کے پیکر میں حسن و عشق کی حیثیت ایک روح کی ہے، جسے شعراء اپنے جذبات و احساسات کا پیکر عطا کرتے ہیں۔ ہمیں قدرت کے کلام میں بھی حسن کا رنگ انوکھا نظر آتا ہے۔ قدرت کے نزدیک حسن کے تصور سے روح کو تسکین اور نفس کو لذت ملتی ہے۔ دراصل قدرت محبوب کے پیکر اور اس کے حسن و جمال کی کیفیت سے سرشار نہیں ہوتے۔ بلکہ وصل کی لذت کے بجائے صرف تصور عشق میں خود بے خود کو خم کرنا چاہتے ہیں۔ یہی وہ فکری نکتہ ہے جو قدرت کو کائنات کی حقیقت کا متلاشی بناتا ہے۔ اس ضمن میں چند اشعار ملاحظہ فرمائیے:

نہ ملا پر وہ بے نشاں نہ ملا
فکر میں اوس کے اک جہان رہا

نہ واقف کارواں سے ہوں نہ کچھ آگاہ منزل سے
کیا میں وادیِ الفت کو طے اک جنبش دل سے

کل جسے کعبہ میں ہم ہاتھ سے کھو بیٹھے تھے
آج میخانہ میں ڈھونڈا وہ صنم واں نکلا

کسے جز خون دل میخانے میں منظور ہے ساغر
میری نظروں میں تجھ بن دیدۂ ناسور ہے ساغر

قدرت کے نزدیک وصل محبوب اس کی منزلِ مقصود نہیں ہے بلکہ اسکے خیالوں کے بھنور میں غوطہ کھانے اور ابھرنے ڈوبنے کو فوقیت دینا ہے۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ وصلِ محبوب عشق کے خاتمے کا اشاریہ ہے۔ دراصل قدرت ایک مضطرب روح کے مالک تھے۔ تصور عشق میں حق کی تلاش کرتے تھے۔ اس سلسلے میں جمیل جالبی لکھتے ہیں:

"اسی تلاش میں جب وہ عشق اللہ قلندری کی بارگاہ میں پہنچے تو انھیں وہ مل گیا جو وہ چاہتے تھے۔ اسی ادراک کا اظہار وہ ساری عمر اپنی شاعری میں کرتے رہے اور یہی شعور و ادراک انھیں معاصر شعراء سے ممتاز کر دیتا ہے۔" (تاریخ ادب اردو۔ ص ۹۱۱)

قدرت کی شاعری میں تصور عشق اور تلاشِ حق ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جس کا ذکر اس انداز سے کرتے ہیں:

مطلب نہ دیر سے ہے نہ کچھ غرض حرم سے
سجدہ اودھر ہی کرنا جیدھر تو جلوہ گر ہو

نسبت ہے ہماری تری جوں سایۂ خورشید

جس جا نہیں تو ہم ہیں جہاں تو ہے نہیں ہم

تیری بے نیازی پہ مرتا ہوں قدرت
نہ آیا نہ دیکھا جو آیا تو دیکھا

نے کعبہ سے مطلب ہے نہ بت خانہ سے کچھ کام
اے دوست خریدار ہوں تیرا میں جدھر ہوں

تصور عشق میں تلاش حق کی گونج انکے ہم عصر شعراء کے یہاں بھی سنائی دیتی ہے۔خواجہ میر درد کے یہاں عشق حقیقی کا رنگ بہت واضح ہے۔درد کا کلام معرفت اور حقیقت میں ڈوبا ہے۔انہوں نے چمنستان تصوف کی آبیاری اس طرح کی ہے

اے درد گر نہ آئینہ دل کو صاف تو
پھر ہر طرف نظارۂ حسن و جمال کر

تجھ کو نہیں ہے دیدۂ بینا وگرنہ یاں
یوسف چھپا ہے ان کے ہر اک پیرہن کے بیچ

میرؔ کے تصور عشق میں جمال مطلق کی جلوہ گری کچھ یوں ملتی ہے:

عام ہے یار کی تجلی میرؔ
خاص موسیٰ و کوہِ طور نہیں

جبکہ سوداؔ کی شاعری کو طرب انگیز کہا جاتا ہے۔لیکن تصور عشق کا اندازِ بیان اور تخیل میں بھی سود کے کلام میں وحدت الوجود اور وحدت الشہود دونوں کی کار فرمائی نظر آتی ہے:

ہر ایک شے میں سمجھ تو ظہور کس کا ہے
شرر میں روشنی شعلے میں نور کس کا ہے

مقدور نہیں اس کی تجلی کے بیاں کا
جوں شمع سراپا ہوا گر صرف زباں کا

عشق ایک ایسا وسیلہ ہے جسے عقل کی کسوٹی پر جانچا اور پرکھا نہیں جا سکتا ہے۔عشق ایک کیفیت ہے جو انسان کے دل میں ایک ایسی آگ بھر دیتی ہے، جس کی سرگرمیوں میں تیشہ زنی اور صحرانوردی پر زندگی صرف کرتی ہے۔یہی سبب ہے کہ عشق، عقل کے دائرے سے خارج ہے۔اور عقل اور عشق کا تصور مابعد الطبیعات کا حصہ ہے۔بقول راسخ عظیم آبادی

عقل نے چاہا تو تھا کھینچے مجھے اپنی طرف
لیکن جانب دار اپنا عشقِ زور آور رہا

تصوف ''من عرفہ نفسہ فقد عرفہ ربہ'' کی جلوہ گاہ ہے۔قدرت کے کلام میں بھی ہمیں اس انداز فکر کی لے سنائی دیتی ہے، جس کا محور تلاش اور صرف تلاش ہے۔قدرت کا محبوب صرف وحدہ لاشریک کی ذات ہے۔اپنی اس محبت کو پانے کے لئے قدرتؔ ساری عمر

معرفت وجدان کے راستے پر چلتے رہے۔اس کٹھن ڈگر پر وہی چل سکتا ہے جس کا دل مجازی حسن و عشق کے نشہ سے مبرا ہو۔قدرت کا دل ایک صادق عاشق کا دل ہے جو اپنے محبوب کی تلاش میں دنیا کی تمام لذتوں کو ترک کر دیتا ہے،اور باری تعالیٰ کو اپنا والہ وشید بنالیتا ہے۔

قدرت کے کلام میں عشق حقیقی کی جلوہ نمائی ہے کہ محبوب حقیقی کے سامنے سر خم کرنا ہی منزل عشق ہے۔جس کی وضاحت ذیل کے ان اشعار سے ہوتی ہے:

ہوا دستِ جنوں سے تار تار از بسکہ پیراہن
گریباں ڈھونڈتا ہے دامن اور دامن گریباں کو

تیرے غمناک جدھر نالے کو سر کرتے ہیں
ایک عالم کے تئیں زیر و زبر کرتے ہیں

قافلے کے قافلے اس راہ میں جوں نقش قدم
ہو گئے پامال تیری حسرت پابوس میں

تیرے ہی تجسس میں ہیں اے جان تمنا
گر ساکنِ مسجد ہیں دگر زیر نشیں ہم

اُٹھ جائے اگر آنکھ سے پردہ یہ دوئی کا
قدرت کی نظر میں رہیں پھر ایک ہم ہی کا

گرے ہے آگے کس در پر سمجھ کر اپنا مامن ہم
اگر تو ہی نہیں راضی تو جاویں آہ کن کن ہم

قدرت کے کلام کا مطالعہ یہ باور کراتا ہے کہ ان میں وہ تمام صلاحیتیں موجود ہیں جو ایک جینوئن شاعر کے لیے ضروری ہیں۔ان کا دل عشق و محبت کے جذبات سے سرشار تھا۔ان کا عشق ایک بوالہوس کا عشق نہیں تھا،بلکہ وجدانی تھا۔جس میں شعور و ادراک کے جذبے کی گرمی ''تلاشِ حق'' کے لئے رواں دواں تھی۔بقول جمیل جالبی:

"انکی شاعری میں قرۃ العین طاہرہ کی سی آتشِ شوق و تلاش منزل کا احساس ہوتا ہے۔"(ایضاً۔ص ۹۱۵)

اس ہجر کے سفر میں قدرت کا کلام مزید توانا اور لائقِ اعتنا ہو گیا ہے کیونکہ عشق کی آگ میں جل کے تصور عشق کا رنگ اور بھی نکھرتا ہے۔ اردو کی شعری روایت میں عاشق اپنے محبوب کے ہر ستم و جفا کو بڑی خوش دلی سے سہتا ہے۔بلکہ اس کی تیغ ستم سے خود کو قتل کروانا اپنے لیے باعث افتخار سمجھتا ہے۔گویا محبوب کی جانب سے ڈھائے گئے ستم ایک عنایت سے کم ہر گز نہیں جسے عاشق ایک انعام سمجھتا ہے۔ محبوب کی فطرت ہے کہ اپنے چاہنے والوں کو ہمہ وقت بے چین و بے قرار رکھے۔دراصل محبوب دنیا کا واحد شخص ہے جو ظلم کو روا رکھنا اپنا

فرض عین سمجھتا ہے۔یہی احساس قدرت کے کلام میں بھی واضح طور پر نظر آتا ہے۔حالانکہ قدرت کی شاعری عشق حقیقی کی منہ بولتی تصویر ہے۔لیکن عشق مجازی کا رنگ بھی بعض جگہ انکے کلام میں بڑے دلکش انداز میں ملتا ہے۔مثال کے طور پر یہ شعر ملاحظہ فرمایئے:

تیرے حضور میں جب قصدِ عرض حال کیا
ہجوم گریہ نے میری زباں کو لال کیا

قدرت کے کلام میں ہمیں ایک ایسا سادہ لوح عاشق نظر آتا ہے جو اپنے محبوب کے ستم اور بے وفائی کی شکایت نہیں کرتا ہے، بلکہ اس کے ستم کو کرم اور گالیوں کو انعام تصور کرتا ہے۔

جب دیکھتا ہے مجھکو تو دیتا ہے گالیاں
اپنے نصیب کا یہ اک انعام رہ گیا

قدرت اپنے کرب کو دنیا کے سامنے پیش کرنے سے کتراتے ہیں۔اور اپنے سینے میں محبوب کے تمام ستم کو سمو کر رکھتے ہیں۔اس کا احساس ذیل کے اشعار میں واضح طور پر ملتا ہے

تو نے تو مجھکو دلاسے میں رکھا
جی مرا یو نہی نکلتا ہی رہا

ہو یوں پھر لگے اوس بزم میں اپنے نصیبوں سے
گئے جاتے ہیں اور سب دوست ٹھہرے ایک دشمن ہم

قدرت اس رشتے کو بچانے کے لئے اپنا وجود تک مٹانے کو تیار نظر آتے ہیں۔محبوب کی جفا اور اسکے ظلم کے سامنے اپنا سر خم کرتے نظر آتے ہیں۔قدرت کے کلام میں ''غم جاناں'' کا فلسفہ عاشق صادق کی ذات کی شناخت ہے۔ذیل کے چند اشعار ملاحظہ فرمایئے:

میں شکوہ کیا کروں قدرت جفائے دشمن کا
وفائے یار نے میرا تنگ حال کیا

خدا جانے اب آگے دیکھیں گے کیا کیا
تیرے غم میں اک کوہ وصحرا تو دیکھا

تیرے اس حنائی کف پا کے ہاتھوں
سدا ایک فتنہ ہے برپا تو دیکھا

تڑپوں ہوں خاک وخوں میں پڑا جس کے وار سے
قدرت میں کیا کہوں کہ وہ کیا شہسوار تھا

گزرا جو کوئی ایدھر سے جیتا وہ پھر نہ آیا
کوچہ تھا تیرا ظالم یا دشت کربلا تھا

اس ستم کے سفر میں سوزِ اشک، یاس و حرماں، غم و درد، خونِ جگر، مژگانِ تر جیسی تراکیب عشق کو زندہ اور تابناک رکھنے کے لئے ایندھن کا کام انجام دیتی ہیں۔ آنکھوں سے بہنے والا پانی خوشی یا غم کا اظہار ہوتا ہے۔ یہ صرف پانی کا قطرہ نہیں ہوتا ہے بلکہ اس کے جلو میں کئی جذبات و احساسات پوشیدہ ہوتے ہیں۔ شاعری میں اشک کے متعلق ایک عام سی رائے ہے کہ عشق کی ناکامی، محبوب کا ستم، محبوب کی بے التفاتی، محبوب کا رقیب سے قریب ہونا، ایسی صورتوں میں عاشق کا دل خون کے آنسو روتا ہے۔ لیکن میرا ماننا ہے کہ عاشق کی آنکھوں سے بہنے والا پانی، محبوب کے ظلم و ستم کے خلاف ایک خاموش احتجاج ہوتا ہے۔ جسے عاشق بڑی سادگی اور معصومیت کے ساتھ اپنا احوال دل اشک کے روپ میں پیش کرتا ہے۔ قدرت کے یہاں بھی اسی طرح کا معاملہ نظر آتا ہے۔ قدرت نے دراصل اشک کو ایک علامت کے طور پر برتا ہے۔ مثال کے طور پر یہ شعر ملاحظہ فرمائیں:

دامن کو نچوڑا میری مژگاں نے جدھر کو
واں ابر بھی دیکھا تو میری چشم تر آیا

ہر خار و گل و دشت پہ دل کھول کے روئے
جوں ابر جدھر گذرے بمژگاں نمیں ہم

گویا قدرت کا دل محبوب کے ستم سے اسقدر دوچار ہے کہ آسمان سے برسنے والا پانی بھی ان کے اشک کے سامنے شرمندہ ہے:

آنسو تھمے نہیں ہیں پر سوکھی ہے چشم تر
دریا اوتر گیا پہ یہ گرداب رہ گیا

حسرت کے آنسوئوں سے آنکھوں کو تم نے دیکھا
کب تر کرے ورق کو آبِ روانِ تصویر

کچھ دیر ہوئی اشک نہیں آنکھوں سے گرتے
شاید سر مژگاں کوئی لختِ جگر آیا

قدرت کا تصورِ غم تخیلی اور فکری نہیں ہے، بلکہ یہ ایک ثبوتِ عشق ہے جو زندگی کے نشیب و فراز کے تلخ مرحلوں سے گزرتا ہے۔ جس کا دل خونِ جگر کا مرکب ہے۔ اس احساس کی تصویر ہمیں قدرت کے کلام میں بڑے جامع انداز میں نظر آتی ہے:

فیض اشک خوں سے دن کٹتے ہیں اب اس شغل میں
شام تک بیٹھا نچوڑوں ہوں سحر سے آستین

اشک جب دل سے میرے تا سر مژگاں نکلا
گویا تنور سے ایک نوح کا طوفاں نکلا

تب ذرا تسکیں ہو میرے دل کے اے مژگانِ تر
ڈوب جا دامن اِدھر سے اور اُدھر سے آستین

آتش فروز دل ہے تا حسن شعلہ رو کا
ہر اشک ہے شرارہ ہر آہ ہے لہو کا

کم و بیش ہر شاعر نے اپنے کلام میں عبرت و موعظت اور بے ثباتی دہر کا ذکر کیا ہے۔ یہ ٹھوس حقیقت ہے کہ گذرتا ہوا ہر لمحہ ہمیں موت کے قریب کرتا ہے۔ یہی احساس قدرت کی شاعری میں بے حد شگفتہ انداز میں ملتا ہے۔ زندگی اور دنیا کی ناپائیداری کو قدرت نے اپنے اشعار میں ایک نئے طرز سے ڈھالا ہے۔ مثال کے طور پر یہ شعر:

جز نقش پا جہاں کہ یہ مجبور رہ گیا
طاقت بھی واں سے چل گئی مقدور رہ گیا

۱۷۰۷ء میں اورنگ زیب کی وفات کے بعد مغلیہ سلطنت کو نااہل حکمرانوں کا سامنا کرنا پڑا۔ جن کی نااہلی نے سلطنت کے شیرازہ کو بکھیرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ اس کے علاوہ درباروں میں آپسی خلفشار اور ملکی غیر ملکی سازشوں اور حملہ آوروں کی وجہ سے بادشاہت اپنا وقار اور اعتماد عوام کے دلوں سے کھو رہی تھی۔ ایسے پر آشوب ماحول میں ۱۷۳۹ء میں نادر شاہ کا دلی پر حملہ اور قتل عام نے انسان کے دلوں سے زندگی کرنے کی ملکختم کر دی تھی۔ اس پر انتشار فضا میں قدرتؔ کی شاعری میں بھی ترکِ دنیا کا فلسفہ نظر آتا ہے۔ اس طرح تلاش عافیت کا تصور بڑی گہرائی کے ساتھ ابھر کر سامنے آنے لگا۔ اس شدتِ احساس کو قدرت نے ایک پوری غزل میں یوں پیش کیا کہ میر حسنؔ نے اس غزل کو ''مشہور عالم'' سے تعبیر ہے۔

کس کی نیرنگی پہ برق خاطر مایوس ہے
جو شرر دل سے اٹھے سو جلوۂ طاؤس ہے
حسن کو اپنے ہواداروں سے کاوش ہے مدام
ہر طپش یاں شمع کی برقِ دل فانوس ہے

صبر و طاقت تو کبھی کی کوچ یاں سے کر گئی
اب وداعِ ننگ ہے اور رخصتِ ناموس ہے

قدرت نے پوری زندگی باوقار اور متصوفانہ طریقے سے گزاری۔ زندگی کے نشیب و فراز اور اس کے اتار و چڑھائو کو بھی قریب سے دیکھا۔ لیکن صبر واستقامت کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ یہی سبب ہے کہ انکی شاعری اور شخصیت دونوں مجسم درد و غم کی تصویر ہے۔ زندگی کی ناپایداری کو قدرت نے نہایت خوبصورت پیرائے میں یوں پیش کیا ہے۔

مختصر یہ کہ شاہ قدرت کی شاعری اپنے انداز میں ایک منفرد آہنگ رکھتی ہے۔ خالص ادبیت، انکی شاعری کا وصف ہے، اور یہی وصف ان کو انکے ہم عصروں سے الگ کرتا ہے۔ انہوں نے اپنی شاعری میں روایتی اسلوب اختیار نہیں کیا بلکہ شعور وادراک کے ساتھ بدلتے حالات کا محاسبہ اور مشاہدہ کیا۔ انکی شاعری نے اردو غزل کے اسالیب میں بڑا اضافہ کیا ہے۔ اس اعتبار سے شاہ قدرت اللہ قدرت کو اٹھارویں صدی کے ایک منفرد اور صاحب طرز شاعر کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا۔

Bibliography (REFERENCES)

1. Maqalat - e- Qazi Abdul Wadood by Kaleemuddin Ahmed: Bihar Urdu Academy ;Patana, 1979

2. Tahqeeq Nama by Mushif Khwaja ; Magribi Pkistan Urdu Academy; Lahore, 1991

3. Tareekh -e- Adab -E- Urdu by Jameel Jalibi: Educational Publishing House ; New Delhi, 1987

4. Urdu Shora ke tazkire aur tazkira nigari by Farman Fatehpuri: Majils -e- Taraqqi-e- Adab Urdu ; Lahore, 1972

5. Urdu Shairi aur Tasawwaf by Ab dul Qadir G. Farooqi: Abdul wafa Al - Afghani ;Hyderbad, 2009